ڈاکٹر محسنہ نقوی

# اُردو میں جدید مرثیہ نگاری کا ارتقاء

Tradition of *Marsia* in Urdu is borrowed from Persian literature. With the development of Urdu literature in different periods, this tradition also got enriched by prominent poets. In 20th century, like other literary genres, *Marsia* also gone under changes. This article presents a study of development of *Marsia* in modern era of Urdu literature.

سرزمین دکن سے ابھرنے والی صنفِ سخن مرثیہ قلی قطب شاہ کے ہاتھوں نشوونما پائی، انیس و دبیر کی فکر ہائے بلیغ سے پروان چڑھتی، اور پیارے صاحب رشید کی سخن سنجی سے مستحکم ہوتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ قطب سے رشید تک ایک پوری جماعت ہے جس نے اُردو ادب میں مرثیہ نگاری کو فروغ بخشا۔ ان تمام مرثیہ گویوں نے داستانِ حرم کو نہایت پاکیزہ انداز میں بیان کیا جس سے قوم میں پاکیزہ گفتاری، نیکوکاری، اخلاق حسنہ اور تہذیب اخلاق کا میلان بڑھ گیا (۱)۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ادب سماج سے علاحدہ کوئی شے قرار نہیں دی جاسکتی۔ جہاں سماجی اثرات تمام اصناف پر مرتسم ہوتے ہیں وہاں سیاسی عوامل بھی اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کی انقلاب انگیزی اُردو ادب پر پوری طرح اثر انداز ہوئی ہے اور صنفِ مرثیہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہی۔ جہاں جدیدیت ادب کی جملہ اصناف کا مرکز و محور بنی، وہاں مرثیہ نگاری بھی جدید رنگِ سخن سے آشنا ہوئی اور اس کے طرز ادا اور تیور میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ اس اجمال کی تفصیل پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں تحریکِ خلافت، بین الاقوامی اتحاد، بیداریٔ مسلمانانِ عالم اور آزادیٔ ہند کی جدوجہد کا آغاز بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ہوا۔ اس جوشِ ایمانی، حرارتِ ملی اور بیداریٔ ذہن کا نمایاں عکس ہمیں علامہ اقبال کے کلام میں ملتا ہے۔ اس کلام میں مسلمانوں کے لیے عزم، استقلال، ہمت اور حوصلے کا پیغام ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی
اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اِک ضربِ یداللہی، اِک سجدۂ شبیری

یہی وہ زمانہ ہے جب مولانا محمد علی جوہر کے کلام میں شہادتِ حسینؑ کی اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے قربانی و سرفروشی کے اس مسلک کو اپنی عملی زندگی میں نہایت خلوص و عقیدت کے ساتھ برتا۔ مولانا نے اپنے پیغام میں دل کشی، قوت اور تاثیر پیدا کرنے کے خیال سے حضرت امام حسینؑ کو ایک مثالی ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا اور اس طرح مسلمانوں کو ایثار و جاں بازی کا سبق دیا (۲)۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

وہ دشت کہ آرام گہِ سبطِ نبی ہے
اُس دشت کو لاکھوں ابھی آباد کریں گے

پیغام ملا تھا جو حسین ابنِ علی کو
خوش ہوں، وہی پیغامِ قضا میرے لیے ہے

روزِ ازل سے ہے یہی اِک مقصدِ حیات
جائے گا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

بادی النظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہادتِ حسین کو انقلاب کی علامت قرار دیتے ہوئے حرکت وعمل کا داعی ومحرک ثابت کیا گیا، یعنی شہادتِ عظمیٰ کو امام حسین کے مقصدِ شہادت سے مربوط ومنسلک کرتے ہوئے نئے نئے مضامین باندھے گئے، نئے نئے انداز اور نت نئے لہجے اپنائے گئے، نیز لسانی لطافتوں کو بہتر شکل میں پیش کرنے کے لیے غیر معمولی ریاضِ فن سے بھی کام لیا گیا۔ مرثیہ نگاری کے لیے نئے پہلو تلاش کیے گئے اور نئے زخ سے اس صنف کے لیے نئی سمتیں متعین کی گئیں۔ علاوہ ازیں، جدت پسندی کی رو نے ہیئت کے سانچوں میں داخلی تبدیلیاں کیں۔ نئے لہجے کی گونج تیز ہوئی اور اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے منطق واستدلال کے فلسفیانہ پیرائے اپنائے گئے۔

دوسری طرف مزاجی اعتبار سے مرثیوں کا خالصتاً ماتمی اسلوب بھی تبدیل کردیا گیا اور سانحۂ کربلا، جو اُردو ادب میں چارسو سال تک رونے رُلانے کا حوالہ بنا رہا، جدید مرثیوں میں قوت وحرارت کا محور ومرکز بن کر تحریک کی صورت اختیار کرگیا۔

جدید مرثیہ نگاروں کا موضوع تو بہر صورت حضرت امام حسین کی ذاتِ گرامی اور اہلِ بیت کے مصائب وآلام ہیں، لیکن انھوں نے اظہار وابلاغ کے روایتی اسلوب سے ہٹ کر نئے پیرایہ ہائے اظہار اختیار کیے اور سرزمینِ کربلا سے جدید فکری ناتا قائم کیا۔ ایسے شعرا نے اسالیب کے لوبہ لو تجربات سے بھی کام لیا اور مضامین تازہ کے انبار بھی لگائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئے دور کے مرثیہ نگاروں کو کربلا کی جدید معنویت کا ادراک حاصل ہوا ہے جس کے پیشِ نظر حضرت امام حسین کی صداقت وحقانیت ہی دین کی عزیمت کی آئینہ دار ہے۔ آپ اسلامی تعلیم کی رُو سے جہاں تسلیم ورضا کے جاں کاہ مراحل طے فرمارہے تھے وہیں استقامتِ دین اور نفاذِ اسلام کے بے لچک جذبوں کی مقصدیت کو بھی بروئے کار لارہے تھے۔ غرض، سیدالشہدا کی سعی کربلا نے حق وباطل میں فرق واتیاز واضح کیا، حق کی فرضیت اور باطل سے مبارزت کو ایمان کا لازمہ قرار دیا اور یہ باور کرادیا کہ حق کی خاطر سربلند کرنے والا قلت وکثرت کی ہر تمیز کو یک سر فراموش کردیتا ہے۔

سوچ کے اس سائنٹفک انداز نے رثائی ادب کے قدیم فلسفیانہ فکر کو تازہ لہو فراہم کرتے ہوئے کربلا کی جدید اور حقیقی معنویت آشکار کردی۔ اس اندازِ نظر کی بدولت جدید مرثیہ گویوں نے اپنے اپنے مزاج اور مذاق کے مطابق منزل بہ منزل پیش رفت کے نئے نئے انداز اپنائے۔

ان جدید مرثیہ نگاروں کے سرخیل شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی ہیں جنھوں نے مرثیے کو جدید رنگ میں پیش کیا۔ نئے فکری موضوعات اور جدید وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر مرثیہ کہا۔ انھوں نے اپنی متعدد نظموں میں حضرت امام حسین کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں سب سے روشن نمونہ وہ مرثیہ ہے جو انھوں نے 'آوازۂ حق' کے عنوان سے ۱۹۱۸ء میں تصنیف کیا

تھا(۳)۔یہاں اس مرثیے کے دو بند نقل کیے جاتے ہیں:

قربان ترے نام کے اے میرے بہادر
تُو جانِ سیاست تھا تُو ایمانِ تدبّر
معلوم تھا باطل کے منانے کا تجھے گُر
کرتا ہے تری ذات پہ اسلام تفاخر
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صداقت کا سبق تھا
تلوار کے نیچے بھی وہی کلمۂ حق تھا

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیرِ حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر شخص حسین ابنِ علی ہو

۱۹۴۱ء میں جوش ملیح آبادی نے 'حسین اور انقلاب' لکھ کر حضرت امام حسین کے کارناموں کی نئی تعبیروں کا پتا دیا۔ جوش کی فکر و تخیل کی اس نئی تخلیق نے دوسرے مرثیہ نگاروں کو بھی اسی انداز میں مرثیہ کہنے کی ترغیب دی۔بقولِ ڈاکٹر احراز نقوی ''جوش کا فنی مرثیہ گوئی جدید مرثیہ نگاری کی تاریخ میں ایک نئی کروٹ ہے(۴)۔

جوش کی سیاسی حیثیت اور ان کی ادبی اہمیت اس وقت مسلمہ تھی، چناں چہ ان کے مرثیوں نے ہزاروں ذہنوں کو متاثر کیا۔ یہ تاثر در حقیقت ملک و قوم کے ان سیاسی معاشرتی اور علمی تقاضوں کی بنا پر تھا جس نے پورے ملک کو جس انداز سے متاثر کیا تھا، مرثیہ نگاروں نے اس تاثر سے اپنے اندر تبدیلیاں محسوس کیں اور ان احساسات کو نمایاں کیا(۵)۔

جوش ملیح آبادی کے تذکرے کے ساتھ ہی ہمارے ذہن میں شاعرِ اہلِ بیت نجم آفندی کا نام گونجنے لگتا ہے۔انھوں نے جدید مرثیہ نگاری کو فروغ دینے میں قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔شہادتِ عظمیٰ کے پیغام کو مؤثر انداز میں پیش کر کے موصوف نے قوم میں شجاعت و استقامت کی روح پھونک دی۔روحِ شہادت سے ناآشنا اور سادہ لوح اشخاص کو اس جذبے سے متعارف کرلیا اور اس دور میں ملتِ اسلامیہ پر چھائی ہوئی بے حسی، بے چارگی اور افسردگی کا قلع قمع کیا۔نجم آفندی کے مرثیے پڑھتے ہوئے آپ کو اپنے خون میں شہادت کا شعلہ لپکتا ہوا محسوس ہوگا۔بقولِ ڈاکٹر سیّد ناظر حسین زیدی: ''عزائیہ ادب کی اصلی غرض وغایت یہی ہے''(۶)۔

نجم آفندی کے مرثیے کا ایک بند یہاں پیش کیا جاتا ہے۔اس کے مطالعے سے اندازہ ہو جائے گا کہ موصوف نے قدیم لب و لہجے سے بھی بغاوت کی ہے:

جس نے امورِ خیر کو بخشی حیات لو
جس کی لوائے درد میں ہے زندگی کی رو
جو سو گیا بڑھا کے چراغِ وفا کی لو
صدیوں سے جس کے نقشِ قدم دے رہے ہیں ضو

بدلی عمل کی شکل، ادارے بدل دیے
جس نے مطالبات کے جادے بدل دیے

غرض نجم آفندی نے بیسویں صدی کے پہلے ربع میں مرثیے میں جو شعری تجربات کیے تھے ان کے تجزیے سے نسیل لو نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا (۷)۔

جدید مرثیہ نگاروں میں ترقی پسند اور خالص غزل کے شاعر جمیل مظہری کا نام خاصا نمایاں ہے۔ ان کے مرثیے میں بھی زندگی کی نئی رمق اور سماجی اقدار کی تبدیلیوں کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ موصوف نے اپنے مرثیے میں جدت پیدا کی اور اسے قدیم مرثیے سے جدا کر کے لکھا (۸)۔ علامہ جمیل مظہری کے ایک مرثیے کا یہ بند ان کی جدید شاعرانہ خصوصیت اور لطافت تغزل کو پیش کرتا ہے:

حیرت کدوں میں بادہ گساروں کی رات ہے
دنیائے رنگ و بو کے نگاروں کی رات ہے
اور کربلا میں سجدہ گزاروں کی رات ہے
شہرت کے ڈوبتے ہوئے تاروں کی رات ہے
مہلت لی ہے شب کی امام حجاز کو
خیمے میں جا رہے ہیں نمازی نماز کو

نسیم امروہوی خالص مرثیے کے شاعر ہیں۔ انھوں نے تمام عمر اسی صنف سخن کی آب یاری میں صرف کر دی۔ انھوں نے نئے رنگ کے امکانات اور ان کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس میدان میں قدم اٹھایا۔ انھیں فن پر بڑی قدرت ہے۔ وہ مرثیے کا مزاج پہچانتے ہیں اور اسی رعایت سے لکھتے ہیں۔ بقول سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی: ''نسیم صاحب نے اسلاف سے ہٹ کر مرثیے میں ایک اسلوب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے (۹)۔

جدید مرثیہ نگاری کے ممتاز شعرا کی صف میں کئی نام آتے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر صفدر حسین، قیصر بارہوی، شاہد نقوی، سکندر مہدی، صبا اکبر آبادی وغیرہ خاصے مشہور و معروف ہیں۔ اسی جدید دور میں اس صنف میں ایک ایسی قد آور شخصیت بھی دکھائی دیتی ہے جس نے رثائی ادب میں ایک نئی گونج پیدا کی۔ جس کے مرثیے برصغیر پاک و ہند کی ہر مجلس میں ولولے، جوش، جذبے اور شہادت عظمیٰ سے وابستہ مقصد عظیم کو نمایاں کرتے رہے۔ یہ شخصیت سید آل رضا کی ہے جو پاک و ہند میں 'شاعر اہل بیت' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

سید آل رضا کی ابتدائی تعارفی حیثیت نے انھیں ایک کامیاب غزل گو شاعر تو ثابت کر دیا تھا، تاہم مرثیہ گوئی میں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے جس ذہنی کرب اور طویل ریاض سے انھیں گزرنا پڑا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کا ذکر خود انھوں نے درج ذیل سطور میں کیا ہے:

میری یہ ہمت کیوں کر پڑی کہ منبر پر جا کر ایک خالص جدید رنگ کا مرثیہ پڑھ دوں۔ ابتدا یوں ہوئی کہ فروری ۱۹۳۹ء کے محرم میں چاند رات سے فصل کی برسات شروع ہو گئی اور میں نے بے ساختہ کہا:

کتنا پانی ہے جو بے وقت برس جاتا ہے
اور کبھی قافلہ پیاسوں کا ترس جاتا ہے

اس شعر کی کیفیت میں میں کچھ اس طرح ڈوبا کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر مرثیہ کہنے لگا۔ اب غزل گو رضا نہ تھا بلکہ مرثیہ گو رضا بن گیا (۱۰)۔

یہ مرثیہ نگار رضا واقتنا مرثیہ نگاری میں بڑی قدر و منزلت کا حامل ٹھہرا۔ اپنا گذشتہ تہذیبی و مذہبی ماحول ان کی نگاہ میں تھا۔ نیوتنی میں منعقد ہونے والی مجلسیں انھیں یاد تھیں۔ پھر نیا ادبی ماحول بھی ان کے پیش نظر تھا۔ والدین کی مذہبی تربیت نے ان کے دل میں محبت اہل بیت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ پرتاب گڑھ کی ادبی فضا ان کے ذہن میں رچی بسی تھی۔ یوں سیّد آل رضا اپنی صلاحیت فکر اور صلاحیت فن کو مرثیہ گوئی کے لیے وقف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آل رضا نئے ماحول میں شاعری کے بدلے ہوئے مزاج کے زیر اثر فلسفیانہ افکار و خیالات سے واقعات کربلا کی تشریح کا فریضہ ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ موصوف نے شہادت عظمیٰ کی انقلابی تشریح و توضیح کا وتیرہ اپنایا۔ انھوں نے مرثیے کو ایک نیا موڑ دیا اور نہ صرف اس کے لب و لہجے میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں بلکہ اس صنف سخن کی ہیئت ترکیبی میں معنوی اضافے بھی کیے۔

مرثیے کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ بالعموم مرثیہ نگاری کے دوران مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا گیا ہے اور اظہار واقعات میں شاعروں نے اپنی طرف سے تصرفات بھی کیے ہیں، لیکن سیّد آل رضا کے مزاج کی احتیاط اور ان کے ذہنی تقوے نے انھیں اس عیب سے ہمیشہ دور رکھا (۱۱)۔

سیّد آل رضا نے مرثیہ نگاری کو جدید دور میں زندہ رہنے اور پنپنے کے قابل بنایا اور اسے موجودہ زندگی سے یوں ہم آہنگ کیا کہ واقعات کربلا کا ہر پہلو دیدنی معلوم ہونے لگا۔ آل رضا کی انقلابی فکر نے مرثیے کو نئی تابندگی عطا کی۔ انھوں نے اپنے شہرۂ آفاق مرثیوں 'عظمت انسان' اور 'شہادت کے بعد' میں تغزل کی حساس کیفیتوں کو ایک دلآویز لہجے کے ساتھ مرثیے کے مضامین سے ہم آہنگ کر دیا۔ اُردو مرثیے کے اسالیب کا یہ امتیاز اس جدید دور کی نمایاں خصوصیت ہے جس کی نمائندگی سیّد آل رضا نے کی (۱۲)۔

'عظمت انسان' سیّد آل رضا کا شاہکار مرثیہ ہے۔ روایتی انداز سے ہٹ کر انھوں نے شہید کربلا کے مقصد حیات کو بہ طریق احسن واضح کیا ہے اور مسلمانان عالم کے اصلاح احوال کے لیے مفکرانہ تجاویز پیش کی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ دو بند ملاحظہ ہوں:

اس حسن تربیت کے لیے آیتیں چلیں
اپنے مکاں کو جیسے سنوارے کوئی مکیں
کرتا تھی ہر طرح سے نصیحت جو دل نشیں
سمجھا دیا، ڈرا بھی دیا، خاطریں بھی کیں
دل جگمگا دیے ہیں دماغوں کے ساتھ ساتھ
روشن کیا ہوا کو چراغوں کے ساتھ ساتھ

سمجھا کے صاف صاف فرائض بتا دیے
حسن عمل کے کتنے مرقع دکھا دیے
کیا کیا چراغ راہ ہدایت جلا دیے
ہر موڑ پر اصول کے پہرے بٹھا دیے
ذوق سفر دیا، کوئی رستے میں تھک نہ جائے
مینار نصب ہیں کہ مسافر بھٹک نہ جائے

یہاں بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں جدید مرثیہ نگاری کی روایت کو تاب و توانائی عطا کرنے میں سیّد آل رضا کی

خدمات قابلِ قدر اور لائقِ منزلت ہیں۔ جبھی تو اردو کے عظیم شاعر اور جدید مرثیہ نگاروں کے سرخیل جوش ملیح آبادی نے آلِ رضا کی خدماتِ جلیلہ کا اس انداز میں اعتراف کیا ہے:

> مرثیوں سے ہمیشہ آنسوؤں اور آہوں کا کام لیا گیا ہے اور کسی ایک مرثیہ گو نے بھی اس جانب توجہ مبذول نہیں کی ہے کہ حسین کے کردار کو پیش کر کے مومنین کو یہ سبق دے کہ دیکھو، اگر تم حسینی ہو تو خبردار، باطل کی طاقت کے سامنے کبھی سر نہ جھکانا اور فرماں روایانِ دہر کو خاطر میں نہ لانا۔ یہ تاج فخرِ قدرت نے سیّد آلِ رضا کے واسطے وقف کر رکھا تھا(۱۳)۔

جو حضرات یہ اعلان کرتے ہیں کہ میر انیس کے بعد صنفِ مرثیہ زوال پذیر ہے، وہ غلط کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرثیہ نگاری پوری قوت کے ساتھ نہ صرف زندہ ہے بلکہ اس کا ارتقائی سفر بھی جاری ہے۔

سیّد آلِ رضا نے ۱۹۳۹ء میں نجم آفندی کی نظم 'اشاراتِ غم' سے متاثر ہو کر اپنا پہلا مرثیہ تصنیف کیا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر نجم آفندی کے انقلابی اشعار نہ ہوتے تو میں جدید مرثیہ نہیں کہہ سکتا تھا(۱۴)۔

سیّد آلِ رضا نے تقسیم سے قبل دو مرثیے کہے تھے، جو ۱۹۴۴ء میں 'شہادت سے پہلے' اور 'شہادت کے بعد' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ اوّل الذکر مرثیے میں ۷۲ بند اور ثانی الذکر مرثیے میں ۷۰ بند ہیں۔ ان دونوں مرثیوں کے ابتدائی مصرع یہ ہیں:

(الف) کلمۂ حق کی ہے تحریر دلِ فطرت میں
(ب) قافلہ آلِ محمدؐ کا سوئے شام چلا (۱۵)

سیّد آلِ رضا نے اپنے تیسرے مرثیے کا آغاز ۱۹۴۶ء میں اس وقت کیا تھا جب رمضان کا مہینا تھا۔ اسی نسبت سے مطلع کا مصرعِ اوّل یوں لکھا:

بہار پر ہے زمانہ نزولِ قرآں کا

مرثیے کا نصف حصہ تو لکھنؤ میں لکھا اور بقیہ نصف کراچی آ کر مکمل کیا(۱۶)۔

سیّد آلِ رضا کے ایک شاگرد سیّد وحید الحسن ہاشمی نے ان کا ایک مرثیہ ۱۹۶۷ء میں 'عظمتِ انساں' کے نام سے شائع کیا، اس مرثیے کا مصرعِ اوّل ہے:

اسلام دینِ عظمتِ انساں ہے دوستو!

اس مرثیے کے متعلق مشاہیر کی آرا بھی کتاب میں شامل ہیں۔

۱۹۷۰ء میں ۹۹ بندوں پر مشتمل سیّد آلِ رضا کا ایک طویل مرثیہ 'شریکۃ الحسین' لاہور سے شائع ہوا۔

پروفیسر کرار حسین نے ۱۹۹۱ء میں سیّد آلِ رضا کے تمام مرثیوں کو 'مراثیِ رضا' کے نام سے یک جا کر کے شائع کر دیا۔ اس مجموعۂ مراثی میں بیس مرثیے شامل ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ سیّد آلِ رضا کے مرثیوں نے عوام و خواص، دونوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ ان کے اعلیٰ درجے کے رثائی ادب کی خصوصیات کا ذکر اردو کے نام ور نقاد پروفیسر احتشام حسین نے یوں کیا ہے:

> ان مرثیوں میں شعوری یا غیر شعوری طور پر عصرِ جدید کے طرزِ فکر کا اثر ہے۔ ان میں عقل اور جذبات کی آمیزش ہے۔ ان میں واقعات کے نظریے اور تشریح کا وہ نیا طریقہ ہے جو ہمارے بزرگوں کے سامنے نہ تھا۔ یہی باتیں ہیں جو نئے دماغوں کو آسودہ کرتی ہیں(۱۷)۔

---

# حوالہ جات

(۱) ''مرثیہ قدیم وجدید'' ڈاکٹر سیّد ناظر حسین زیدی، مشمولہ 'عظمتِ انساں' از سیّد آلِ رضا، مرتبہ وحید الحسن ہاشمی، مکتبہ تعمیر ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۸۴

(۲) ''رزم نگارانِ کربلا''، ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص۴۴ـ۲۴۳

(۳) ایضاً، ص۴۷

(۴) ''جدید فنِ مرثیہ نگاری''، ڈاکٹر احراز نقوی، مشمولہ 'عظمتِ انساں' از سیّد آلِ رضا، مرتبہ وحید الحسن ہاشمی، مکتبہ تعمیر ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۵۶ـ۵۵

(۵) ''مرثیے کا ارتقا''، مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مشمولہ 'عظمتِ انساں' از سیّد آلِ رضا، مرتبہ وحید الحسن ہاشمی، مکتبہ تعمیر ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۵۶ـ۵۵

(۶) ''مرثیہ قدیم وجدید'' بحوالہ بالا، ص۸۵

(۷) ''اُردو مرثیے کی سرگذشت''، ڈاکٹر اسد اریب، کاروانِ ادب، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۹۰

(۸) ایضاً، ص۹۱

(۹) ''مرثیے کا ارتقا'' بحوالہ بالا، ص۵۶

(۱۰) ''شہادت سے پہلے، شہادت کے بعد''، سیّد آلِ رضا، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۴۴ء، ص۳

(۱۱) ''خراجِ محبت''، جوش ملیح آبادی، مشمولہ 'عظمتِ انساں بحوالہ بالا، ص۱۰

(۱۲) ''اُردو مرثیے کی سرگذشت''، ڈاکٹر اسد اریب، کاروانِ ادب، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۹۴

(۱۳) ''خراجِ محبت''، جوش ملیح آبادی، مشمولہ 'عظمتِ انساں' از سیّد آلِ رضا، مرتبہ وحید الحسن ہاشمی، مکتبہ تعمیر ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص۱۰

(۱۴) ''اُردو مرثیہ پاکستان میں'' ضمیر اختر نقوی، سیّد اینڈ سیّد، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص۱۳۴

(۱۵) ''رزم نگارانِ کربلا''، ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص۳۸

(۱۶) ''بیسویں صدی اور جدید مرثیہ''، ڈاکٹر ہلال نقوی، محمدی ٹرسٹ (لندن)، کراچی، فروری ۱۹۹۴ء، ص۲۰۶

(۱۷) ایضاً، ص۶۱۱